سنہ ۱۹۴۲ء

نظرِ ثانی : سنہ ۱۹۶۱ء

بادۂ شوق سے لبریز ہے پیمانۂ دل گرمیِ آتشِ غم شمعِ عزاخانۂ دل
مجھ کو دنیا نظر آتی ہے جو بیگانۂ دل دل سے پہروں میں کہا کرتا ہوں افسانۂ دل
شوق میں گوش بر آواز جو دل ہوتا ہے
دردِ اِن پیار کی باتوں میں مخل ہوتا ہے

میرے پہلو میں ہے دل رسمِ وفا کا پابند چارۂ غم کے لیے شدتِ غم سے خورسند
اِس کا دامن ہو نہ کیوں گردِ کدورت سے بلند پسِ پردہ ہے اسے آلِ عبا سے پیوند
کیوں نہ ہستی میں ہو مانوس، غمِ دنیا سے
اس کا رشتہ ہے پیمبر کے ذوی القربیٰ سے

فکرِ ذاتی سے ہو کیا یہ دلِ مضطر دلگیر فکرِ ملت میں ہے مصروف عزائے شبیرؑ
دردِ انساں سے تڑپ جائیں نہ کیوں قلب و ضمیر فاضلِ طینتِ اربابِ عمل سے ہے خمیر
نقدِ دل، دولتِ ایماں سے ملا ہے مجھکو
یہ گہر گنجِ شہیداں سے ملا ہے مجھکو

دل کی دولت سے ہوں سرکارِ محبت میں غنی دُھن عمل کی ہے جسے، بات کا یہ ہے وہ دَھنی
خلق کرتی ہے جو گلفت پہ مری طعنہ زنی مجکو سمجھاتا ہے دل، ایک نہ سُن پنجتنی
ڈھونڈھ وہ نقشِ قدم جس کا طلبگار ہے تو
غم کا کیا غمِ شہِ صابر کا عزادار ہے تو

کبھی چھڑ جاتا ہے ملت کا جو افسانۂ غم دل مجھے دیتا ہے پہلو سے تسلی ہر دَم
میں جو کہتا ہوں جماعت کی ہیں زلفیں برہم دل یہ کہتا ہے سنور جائیں گی قرآں کی قسم
میں جو کہتا ہوں اماں کب ہے ان آفات کے بعد
دل یہ کہتا ہے کہ دن ہوتا ہے ہر رات کے بعد

میں جو کہتا ہوں کہ اب بازوئے تدبیر ہے شل　　دل یہ کہتا ہے کہ عباسؑ سے لے درسِ عمل
مَیں جو کہتا ہوں کہ دنیا میں مچا دوں ہلچل　　دل یہ کہتا ہے بدلنا ہے تو اپنے کو بدل
مَیں جو کہتا ہوں مری بزم تو بس روتی ہے
دل یہ کہتا ہے کہ ہر اشکِ عزا موتی ہے

مَیں جو کہتا ہوں ترقی کی کوئی آس نہیں　　دل یہ کہتا ہے، نہ ہو، پھر بھی مجھے یاس نہیں
مجھکو شکوہ کہ مری بزم میں احساس نہیں　　دل کو دعویٰ کہ غلط، حق کا کسے پاس نہیں
تیری ملّت نہ فقط خود ہی سنبھل سکتی ہے
یا علیؑ کہہ کے زمانے کو بدل سکتی ہے

میں جو کہتا ہوں، کبھی غنچۂ خاطر نہ کھلا　　دل یہ کہتا ہے، یہی ہے روشِ اہلِ وفا
میرے ہونٹوں پہ ہے بے مہریٔ قسمت کا گلا　　دل یہ کہتا ہے کہ غم ہے بشریّت کا صلا
مجھکو قسمت سے شکایت ہے دلآزاری کی
دل یہ کہتا ہے، یہ تمہید ہے بیداری کی

مجھکو یہ فکر، ریاضت کا ثمر کیا ہوگا　　دل کا یہ ذکر، تغافل سے مگر کیا ہوگا
میں ہوں بسمل کہ بہ ایں بندشِ پَر، کیا ہوگا　　دل ہے قائل کہ بجز فتح و ظفر کیا ہوگا
میرا کہنا، یہی زنداں ہے تو جی چھوٹے گا
دل کا ایما کہ تڑپ، جب تو قفس ٹوٹے گا

شدتِ یاس سے ہوتا ہوں جو میں شعلہ بجاں　　دل یہ کہتا ہے کہ اُمّید پہ قائم ہے جہاں
میں جو کرتا ہوں کبھی تذکرۂ عہدِ خزاں　　دل یہ کہتا ہے، خزاں باغِ تمنا میں کہاں
مَیں فسردہ ہوں کہ ہیں خار چمن زاروں میں
دل شگفتہ ہے کہ گل بھی ہے انھیں خاروں میں

ذکر آجاتا ہے طولِ شبِ ہجراں کا اگر　　دل دکھاتا ہے مجھے جلوۂ سلمائے سحر
بے حسی کا کبھی انجام جو سوچا دم بھر　　دل پکارا کہ نکل آتے ہیں پتھر سے شرر
دھیان جب ملّتِ مُردہ کا مجھے رہتا ہے
تُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّتِ دل کہتا ہے

پوچھتا ہوں جو کبھی مشغلۂ عہدِ شباب
ناز سے پڑھتا ہے دل سیرتِ اکبرؑ کی کتاب
میں جو کہتا ہوں کہ پیری کی مصیبت ہے عذاب
دل یہ کہتا ہے کہ ہے کرب و بلا عین صواب
تو حسینی ہے مصائب کے مقابل تن جا
عہدِ پیری میں حبیب ابن مظاہر بن جا

مجکو آتا ہے جو طفلی کے مشاغل کا خیال
دل سناتا ہے مجھے عونؑ و محمدؑ کی مثال
میں جو کہتا ہوں کہ کیا ہے بشریت کا کمال
دل یہ کہتا ہے فقط پیرویِ سیرتِ آلِ
ان کے اخلاق سے محروم کوئی دور نہیں
دین و دنیا یہیں ملتے ہیں کہیں اور نہیں

مجکو امید میں کر دیتی ہے نکبت جو اداس
دلدہی کرتا ہے رہ رہ کے دلِ وقت شناس
تلخیِ غم کو مٹاتا ہے دمِ حسرت و یاس
اس کی لفظوں میں حلاوت ہے تو باتوں میں مٹھاس
نیند اڑ جاتی ہے ہنگامِ سخن راتوں میں
لگ گئی آنکھ بھی اک روز انھیں باتوں میں

بند آنکھیں جو ہوئیں محوِ تماشا اک بار
خواب دیکھا وہ نرالا کہ ہوا دل بیدار
خواب، تعبیر در آغوش و حقیقت بہ کنار
حسنِ یوسف بہ اثر، خوابِ زلیخا بہ کنار
سیر، گردوں کی ہوئی، چشمِ بصیرت جاگی
سوتے سوتے مری سوئی ہوئی قسمت جاگی

سیرِ نیرنگیِ افلاک جو تھی مدِّ نظر
رقص پر زہرہ و ناہید کے ماری ٹھوکر
نظرِ بد سے بھی مریخ و زحل کی بچ کر
بالا بالا مہ و انجم سے کیا میں نے گذر
دم بدم راہ تھی پُر پیچ تو دم لیکے بڑھے
یعنی ادریس و مسیحا کے قدم لیکے بڑھے

تیز ہوتی تھی جو ہر دم تپشِ دل میری
خود بڑھاتی تھی مجھے راہ میں مشکل میری
بزمِ انجم سے بہت دور تھی محفل میری
ماورائے مہ و خورشید تھی منزل میری
مضطرب ترکۂ آدم کی سیاحت کے لیے
گرمِ پرواز تھا کھوئی ہوئی جنت کے لیے

چٹکیاں لیتی تھی دل میں جو تمنّائے ارم — پرِ جبریلِ امیں تھامرا ایک ایک قدم
گو مجھے یاد تھا جنت سے ہبوطِ آدم — شوق پھر بھی چمنِ خلد کا ہوتا تھا نہ کم
جس سے نکلا تھا بڑی دھوم سے رسوا ہوکر
جا رہا تھا اسی محفل میں، خودی کو کھو کر

میں جہاں تھا بخدا اور ہی کچھ تھا وہ جہاں — کیف و کم کا کوئی جادہ، نہ زمانہ، نہ مکاں
اپنے دل پر مجھے رہ رہ کے یہ ہوتا تھا گماں — اک سفینہ ہے محیطِ ابدیّت میں رواں
اُف وہ نادیدہ حقائق کی مثالی دنیا
بے خودی دل کی تھی خالی وہ خیالی دنیا

حیرت انگیز مناظر تھے صد اسرار بدوش — نہ کوئی صوت و صدا تھی نہ کوئی جوش و خروش
ہوشمندی کا تقاضا وہ جمالِ مدہوش — عالمِ ہُو وہ حقیقت کی فضائے خاموش
کون ہے، کیا ہے، کہاں ہے مجھے معلوم نہ تھا
لامکاں اور مکاں کا کوئی مفہوم نہ تھا

جلوہ ریزی کے پُراسرار نظارے دیکھے — جو بصیرت نے عقیدت کے سہارے دیکھے
دُور سے نور کی آنکھوں کے اشارے دیکھے — جو مقدر کو پلٹ دیں وہ ستارے دیکھے
ظلمتیں دھوپ میں تاروں کی جلی جاتی تھیں
شبِ معراج کے سانچے میں ڈھلی جاتی تھیں

تھا اسی منزلِ حیرت میں ابھی گرمِ سفر — ناگہاں غیب سے کوئی یہ پکارا کہ سَقر
یہ صدا سنتے ہی تھرّانے لگے قلب و جگر — رہ گیا خون بھی دہشت سے رگوں میں جم کر
سیلِ آتش کے تلاطم میں سفینہ آیا
خواب میں، یاد ہے مجکو کہ پسینہ آیا

کیا بتاؤں کہ وہ نظارہ تھا کس درجہ مہیب — نہ کوئی مونس و غمخوار، نہ محبوب و حبیب
عقرب و مار کی پُرہول وہ اشکالِ عجیب — دُور کے حلقۂ آتش نظر آتے تھے قریب
اس بُرے وقت میں اک بات بھلی یاد آئی
آپ کو بھول گیا نادِ علیؑ یاد آئی

یا علیؑ کہہ کے قدم جوں ہی اُٹھایا اک بار
اب جو دیکھا تو وہی نارِ سقر تھی گلنار
للہ الحمد وہ نظارۂ فرحت آثار
جنّتِ دیدہ و دل، خلدِ نظر، خلدِ بہار
وہ فضا تھی کہ زمانے میں کسی جا نہ ملے
جیتے جی خلد ملی، مر کے ملے یا نہ ملے

کوئی بولا، یہی جنّت ہے بصد جاہ و حشم
ابنِ آدم کے لیے ارثِ جنابِ آدم
جس کے دروازۂ عالی پہ یہ کلمہ تھا رقم
بے عمل کوئی درِ خلد پہ رکھے نہ قدم
اس مکاں میں کس و ناکس کی مدارات نہیں
طلبِ حق کا صلہ ہے کوئی خیرات نہیں

گو کہ اس عالمِ حیرت میں نہ تھے ہوش بہم
تھا مگر دل میں تپاں ولولۂ سیرِ ارم
در کے اندر ابھی رکھنے بھی نہ پایا تھا قدم
ناگہاں آئی اک آواز کہاں جاتا ہے تھم
کھینچ لائی ہے تصوّر کی جسارت تجھکو
داخلے کی نہیں جنت میں اجازت تجھکو

بولا میں، کون ہے یہ مانعِ ایوانِ ارم
آئی آواز کہ یہ میں ہوں نگہبانِ ارم
مسکرا کر یہ کہا میں نے کہ رضوانِ ارم
مجھ پہ ممنوع ہے کیوں سیرِ گلستانِ ارم
اہلِ جنّت کو ہے ماضی کا تصوّر باقی
کیا ابھی ہے بنیٔ آدم سے تنفّر باقی

میری اس طنز پہ رضواں نے صدا دی یہ وہیں
اہلِ جنت کی کوئی تجھ میں علامت ہی نہیں
عرض کی میں نے کہ یہ شکلِ تقدّس آئیں
یہ مرا خرقۂ اسلام یہ پیراہنِ دیں
داغِ سجدہ ہے عیاں جبہۂ نورانی پر
نقش ہے زہد و ورع کا مری پیشانی پر

میرے چہرے پہ نظر ڈال کے رضواں نے کہا
بارک اللہ یہ پُر مکر لباسِ تقویٰ
سجدۂ زہدِ ریائی کا جبیں پر دھبّا
ظاہری شکل و شباہت کی کشش، کیا کہنا
روح بھی پاک ہے کیا جامۂ تقویٰ کی طرح
دل بھی پُر نور ہے ریشِ رخِ زیبا کی طرح

سُن کے یہ طعنۂ جانکاہ ہوا دل جو کباب ۔۔۔ میں نے دامن کو جھٹک کر کہا، سنیئے تو جناب
اللہ اللہ سخنِ نرم کا یہ سخت جواب ۔۔۔ کیا نہیں علم میں بندے کی نمازوں کا حساب
نہ کوئی عابدِ شب خیز و مُصلّی ہوں میں
گھر کی مسجد ہے کہ جس کا مُتولّی ہوں میں

میں یہ سمجھا تھا عبادت کا تو کچھ ہوگا اثر ۔۔۔ مگر اللہ رے اُس نیک فرشتے کی نظر
مجھ سے بولا، یہ دلیلیں ہں فروعی یکسر ۔۔۔ اَصل پر زعمِ تقدس میں لگا دی ٹھوکر
حق جو بندوں کے ہیں واجب وہ چکائے تم نے
یا فقط ڈھونگ ہی تقویٰ کے رچائے تم نے

ناقدانہ کبھی طاعت پہ نظر بھی ڈالی ۔۔۔ ایک سجدہ بھی نہ تھا مکر و ریا سے خالی
یہ تو عالم ہے نمازوں کا جنابِ عالی ۔۔۔ رہ گیا صَوم، وہ اسلاف کی تھی نقّالی
پاؤں کب جادۂ تسلیم و رضا پر رکھّا
روزے رکھے بھی تو احسان خدا پر رکھّا

مقصدِ صَوم کا اک دن بھی ہوا کچھ احساس ۔۔۔ بھوک کا فاقہ کشوں کی بھی کیا ہے کبھی پاس
کَب ہوئے سوختہ جانوں کے تصوّر سے اُداس ۔۔۔ تم کہاں اور کہاں گرد و غبارِ افلاس
وقتِ افطار گدا کا کبھی عقدہ کھولا
پھر مزہ یہ ہے کہ لذّات پہ روزہ کھولا

چار آنکھیں تو ذرا کیجیے اے نیک صفات ۔۔۔ بے حساب آپ کے سر پر نہیں کیا بارِ زکات
وہ سیاحت کے لیے حج کی تمنّا دن رات ۔۔۔ خمس تک میں ہے شش و پنج، کہاں کی خیرات
کب جہاد آپ نے تن کر صفتِ شیر کیا
نہ سہی یہ تو کبھی نفس کو بھی زیر کیا

سُن کے یہ لفظ کہا میں نے یہ ہو کر بیباک ۔۔۔ کب نہ تھے ہم ہنرِ جنگ میں چُست و چالاک
سر کشی اب بھی کرے کوئی جو زیرِ افلاک ۔۔۔ دَم میں خاک وہ اُڑائیں کہ جری چاٹیں خاک
معرکے آج بھی لاکھوں سے بڑا کرتے ہیں
غیر تو غیر ہیں اپنوں سے لڑا کرتے ہیں

سُن کے دعوے یہ جہالت کے لقبِ آگاہ
ہنس کے رضواں نے کہا مجھ سے کہ ماشاء اللہ
آپ کی بُرّشِ شمشیر پہ دنیا ہے گواہ
خانہ جنگی ہے دلیلِ حشم و عظمت وجاہ
مرحبا، عزم وحمیّت کے سبق یاد تو ہیں
آپ غازی نہ سہی آپ کے اجداد تو ہیں

کچھ بزرگوں کی شجاعت پہ نظر ہے کہ نہیں
خون میں عزم کی گرمی کا اثر ہے کہ نہیں
جھک کے پہلو میں تو دیکھو وہ جگر ہے کہ نہیں
بے خبر ہو کہ خبردار، خبر ہے کہ نہیں
دین سرسبز ہوا ذوقِ نمو سے اُن کے
سرخرو آج ہے اِسلام لہو سے اُن کے

تیغ اُن کی تھی وہ بیباک کہ پتھر کاٹے
کفر کی توڑی کمر، چیرے جگر، سر کاٹے
نیزہ و تیر قلم کر دیے، مِغفر کاٹے
طائرِ روح پھڑکتے ہی رہے پر کاٹے
اُس کی دہشت سے تو خود موت بھی تھراتی تھی
جب وہ پھر چمکتی تھی اُس وقت قضا آتی تھی

تم میں لیکن وہ ارادوں کی جوانی نہ رہی
نام جس سے ہے سلف کا وہ نشانی نہ رہی
روحِ جرأت کی وہ ہنگامہ فشانی نہ رہی
خوں وہی ہے مگر اس خوں میں روانی نہ رہی
وہ بھی لڑتے تھے مگر حق کی حمایت کے لیے
تم بھی لڑتے ہو مگر جہل وحماقت کے لیے

رگِ علمی پہ جو یہ سُن کے لگا اک نشتر
جل گیا غیظ سے میں بھی صفتِ شمعِ سحر
آستینوں کو چڑھا کر یہ پکارا بڑھ کر
مجھ سے علامہ پہ یہ جہل کی تہمت یکسر
اہلِ بینش کو بھی کیا جاہل و اعمیٰ سمجھا
کیا کہا، پھر تو کہو تم نے مجھے کیا سمجھا

شعرا میں ہے فصاحت کا مری شہرۂ عام
کون ہے جس کو مرے حسنِ بیاں میں ہے کلام
لو گِنو تو سہی بندے کی تصانیف کے نام
ہنس کے بولا کہ یہ تقویٰ کی تجارت ہے تمام
عمر بھر پرورشِ نفسِ دنی کرتے رہے
راہبر بنتے رہے راہزنی کرتے رہے

میں پکارا کہ مرا کام ہے قومی خدمت
واعظانہ ہے مرا رنگِ سخن بے حجت
بولا رضوان کہ بس رہنے بھی دیجے حضرت
منہ سے خدمت کو جتایا تو جزا بھی رخصت
طلبِ جاہ کی منبر پہ یہ سب گھاتیں تھیں
وعظ و تبلیغ کہاں وہ تو فقط باتیں تھیں

غلط اندیش ہر اک فکر تو ہر راہ تھی کج
سعیِ دنیا میں قوی، راہِ خدا میں اعرج
منبرِ مدح و ثنا پر وہ نرالی سج دھج
زورِ تقریر میں بپھرے ہوئے طوفاں کی گرج
یوں تو کہنے کو سبھی کچھ تھا مگر خاک نہ تھا
خاکساری کا تماشا تھا، اثر خاک نہ تھا

گو کہ رضواں کے یہ طعنے تھے بصیرت افروز
تیر کی طرح ہر اک طنزِ جبیں تھا دلدوز
میں نہ تھا پھر بھی کسی بات سے عبرت اندوز
نہ حیا تھی نہ خجالت، نہ کوئی ساز نہ سوز
مضحکہ خیز دلائل پہ نہ شرماتا تھا
بے حیائی کا تقاضا تھا کہے جاتا تھا

مدعی تھا کہ مسلّم مری عالی نسبی
ناز ہے مجھ کو سیادت پہ بہ اُمّی و ابی
بولا رضواں کہ اے ہاشمی و مطلبی
فخرِ اسلاف ہے بے حسنِ عمل بے ادبی
اہل بن جائیں، یہ ہر گام نظر میں رکھیے
پسرِ نوح کا انجام نظر میں رکھیے

سن کے یہ طعن جو دل کھانے لگا پیچ و تاب
مصلحت بولی کہ نرمی سے مناسب ہے جواب
ناز سے میں نے کہا بندۂ حیدر ہوں جناب
قاسمِ نار و جناں ہے مرے مولا کا خطاب
دل جو عشقِ اسد اللہ کا دیوانہ ہے
قبر کی شمع ہے یہ، خلد کا پروانہ ہے

بولا رضواں کہ سر آنکھوں پہ ولائے حیدر
آ گئے بابِ جناں تک یہ اسی کا تھا اثر
ظاہر عشق کا دعویٰ جو نہ ہوتا لب پر
پھونک ہی دیتا ابھی راہ میں دوزخ جل کر
غیر بھی غم میں پکارے تو بچا دیتے ہیں
عشقِ ناقص کا بھی فیاض صلا دیتے ہیں

اب رہے وہ جو حقیقت میں وِلا کے ہیں اسیر   دوست کے دوست مُعاند کے عدو بے تقصیر
با عمل، اہلِ ولا، نیک سِیَر، پاک ضمیر   جب وہ آتے ہیں سوئے خلد لفیضِ شبیرؑ
لبِ قدرت سے خود آتی ہے صدا آنے دو
رہ گزر کا ہے محل در سے گزر جانے دو

تم ہی منصف ہو تمھاری ہے کہ میری ہے خطا   میں نے روکا تو قدم خود ہی تمھارا نہ اُٹھا
جذبۂ حُبِّ علیؑ دل میں جو ہوتا سچّا   نہ جھجکتے نہ ٹھٹکتے نہ ٹھہرتے بخدا
عشقِ صادق ہے جنھیں وہ کہیں جھجکتے ہی نہیں
بڑھ کے مانندِ مشیّت کبھی رُکتے ہی نہیں

آؤ بڑھ جاؤ جو طاقت نے دیا ہو نہ جواب   سُن کے یہ طعن، کہا میں نے بگڑ کر کہ جناب
میہماں سے یہ سخن اور یہ جگر سوز خطاب   کچھ تو ملحوظ رہیں خُلقِ نبیؐ کے آداب
یہ سلوک آپ کا جنّت کے تمنّائی سے
آپ واقف ہی نہیں طرزِ پذیرائی سے

وہ پکارا، اسی ضد نے تو کیا تجھ کو حقیر   چھوڑ دے اب بھی تو بن جائے بگڑتی تقدیر
عَرَقِ شرم سے دھو نامۂ جرم و تقصیر   ورنہ یہ حجّت و تکرار ہے سب بے تاثیر
روسیاہی نہ مٹے گی کبھی اِس غازے سے
گر یہی ہَٹ ہے تو ہَٹ خلد کے دَروازے سے

سُن کے یہ کلمۂ تحقیر جو غیرت جاگی   سحرِ ابلیس مِٹا چشمِ حقیقت جاگی
باتوں باتوں میں جو احساس کی قوت جاگی   صفتِ طالعِ حُر خواب میں قِسمت جاگی
پھر گئی آنکھوں میں عصیاں کی سیاہی توبہ
منہ سے بے ساختہ نکلا کہ الٰہی توبہ

فیضِ توبہ سے جو تلبیس کا جادو ٹوٹا   پھر نہ طاعت پہ وہ تھا ناز نہ وہ زہدِ ریا
خون، اخلاص کا رہ رہ کے رگوں میں دَوڑا   آئی آواز کہ رضواں یہ ہے قائم بہ رضا
لاکھ مانع ہوں تو مانے گا کسی طور نہیں
شاعرِ آلِ محمدؐ ہے کوئی اور نہیں

یہ صدا سُن کے کھلی ناز سے شاعر کی زباں — میں ہوں تلمیذِ خداوندِ رحیم و رحماں
حق نے بخشا ہے بہر رنگ مجھے زورِ بیاں — مرثیہ، چیت ، غزل فرد، قصیدہ ذیشاں
طبعِ آزاد تقیّد پہ رضامند نہیں
بخدا مجھ پہ کسی بیت کا در بند نہیں

رزم لکھوں تو نگاہوں میں پھرے نقشۂ جنگ — بزم لکھوں تو جمے محفلِ اعدا میں بھی رنگ
نصرتِ حق کی جو بھر دوں دلِ ملت میں امنگ — ہم ردیفوں کا ہو باطل کے ابھی قافیہ تنگ
نظمِ دلدوز کا خنجر جو رواں ہو جائے
قطع اک قطعہ سے منکر کی زباں ہو جائے

میرے شعروں سے ہوئی حق کی حمایت سو بار — چل گئی ہے مرے مصرعوں سے عدو پر تلوار
خندق و بدر و اُحد پر جو کہے ہیں اشعار — پھول ہیں مدحِ شجاعت کے جو باغی کو ہیں خار
حالِ خیبر صفِ اعدا میں بہ تفصیل پڑھا
اُڑ گئے رنگ جو ذکرِ پرِ جبریلؑ پڑھا

اس قدر کیوں نہ مؤثر ہو مری نظمِ سلیس — فیضِ جبریل مرے ذہنِ رسا کا ہے جلیس
میرا اُستادِ دمِ فکرِ سخن ، طرزِ انیسؔ — وہ انیس ایک جو تھا خالقِ ہر رنگِ نفیس
برگِ گل میں ہوں وہ اک نخلِ برومندِ سخن
خسروِ مملکتِ نظم ، خداوندِ سخن

میرا کیا منہ ہے جو فردوس کی کھینچوں تصویر — غازیوں کا وہ محل ، جہدِ عمل کی تعمیر
سازِ تزئینِ مکاں ذوقِ مکیں کی تفسیر — در پہ لٹکی ہوئی حیدرؑ کی دو دھاری شمشیر
دبدبہ وہ کہ قدم ڈر کے فرشتا رکھے
چوبداروں میں عصا دوش پہ موسیٰؑ رکھے

طاق و محراب میں تھا صاف کمانوں کا جو خم — حور و غلماں کی نگاہیں بھی نہ تھیں تیر سے کم
اُف وہ ابروئے کشیدہ کی کشش کا عالم — جذبۂ حق طلبی جاگ اُٹھے ، حق کی قسم
تھے قبالے جو ملکِ عیشِ دوامی کے لیے
عملِ خیر بھی حاضر تھے سلامی کے لیے

چاندنی کی وہ زمیں رشکِ سریرِ دَولت — نورِ وحدت کے منارے وہ نشانِ عظمت
وہ ستونوں کی قطاریں بجلال و رفعت — جیسے صف بستہ جوانانِ کشیدہ قامت
رعب طاری تھا نظارے کا نظر بازوں پر
نام کندہ تھا درِ علم کا دروازوں پر

اللہ اللہ وہ چمن زارِ ارم کے منظر — وہ تجلّی کہ نگاہوں کو نہ تھی تابِ نظر
وہ چھلکتی ہوئی پُر نور شرابِ کوثر — نخلِ طوبیٰ میں وہ حیدرؑ کی ولایت کے ثمر
فَادْخُلُوْھَا کی بشارت جو صبا لاتی تھی
وَاشْرِبُوْا کی لبِ کوثر سے صدا آتی تھی

جام میں دیدۂ مخمور کا جلوہ دیکھا — ہر روش شاہدِ مستور کا جلوہ دیکھا
بھر گئے زخم جو انگور کا جلوہ دیکھا — ہر شجر میں شجرِ طور کا جلوہ دیکھا
ساز و ساماں تھے خدا ساز دل افروزی کے
سبز پودے علمِ سبز تھے فیروزی کے

چادرِ نور کی بوٹی وہ سنہری دیکھی — جس کی رنگت کہیں ہلکی کہیں گہری دیکھی
کہیں دوہری تو کہیں بیل اکہری دیکھی — فرشِ کمخواب پہ سونے کی سہری دیکھی
خود وہ کھو جائے جو طوبیٰ کا سماں پا جائے
چھاؤں جس کی وہ گھنیری ہے کہ نیند آ جائے

سائباں سایۂ الطافِ خداوندِ قدیر — فرشِ یا اطلس و استبرق و دیبا و حریر
سبز اور سُرخ وہ ایوان کہ جن پر تحریر — قصرِ پُر نورِ حسنؑ، بیتِ جنابِ شبیرؑ
آئینے دنگ ہیں اسکندرِ دوراں کی قسم
آیتیں نقش بدیوار ہیں قرآں کی قسم

وہ ہر اک شیشۂ رنگیں سے اُبلتا ہُوا نور — ساغرِ نور میں وہ جلوۂ صہبائے طہور
وہ ہر اک رنگ سے یک رنگیٔ قدرت کا ظہور — وہ سوادِ شبِ گیسو، وہ بیاضِ رُخِ نور
پھول کھِل کھِل کے یہ کہتے ہیں تری شان اللہ
غنچہ غنچہ گُل تسبیح ہے۔ سبحان اللہ

ایک کیاری میں عجب رنگ کے دیکھے پودے   پھول جن کے ہیں سفید، اُن پہ گلابی دھبے
خون جیسے کسی غازی کی رگوں میں دوڑے   سبز پتّوں کے پھریرے پہ لہُو کے چھینٹے
جعفری رنگ جو شاخوں میں ہے گلکاری کا
گُلِ عبّاس نمونہ ہے وفاداری کا

کچھ عجب موسمِ دلکش کے رموز و اسرار   کچھ عجب وقت کہ ہر وقت سراپا انوار
کچھ عجب شب ہے کہ جس پر سحرِ عید نثار   کچھ عجب دن ہے کہ جس میں شبِ اسریٰ کا نکھار
دیکھ کر سبزۂ بالیدہ کو نیند آتی ہے
رات کی جاگی ہوئی اوس گری جاتی ہے

وہ فضا ہے کہ دلِ زار بھی مایوس نہیں   بُوئے گُل بھی قفسِ برگ میں محبوس نہیں
واں کے دلبر بھی تو اغیار سے مانوس نہیں   اتنی بے داغ وہ بستی ہے کہ طاؤس نہیں
ڈالی ڈالی پہ جو رضواں نے نظر ڈالی ہے
زرد پتّی کوئی ہوگی تو کتر ڈالی ہے

لبِ تسنیم کلیلوں میں وہ سرشار طیور   چُپ رہیں جب تو ہیں تربت جو بولیں تو زبور
غوطے کھا کھا کے جو اُڑتے ہیں بصد لطف و سرور   پھڑپھڑاتے ہیں برستا ہے پَر و بال سے نور
خود گرے بھُن کے بہشتی جو طلب گار ہوئے
کھا لیا جب تو پھر اُڑ جانے کو طیّار ہوئے

سبز پوشانِ ارم کا وہ لبِ جُو منظر   خضرِ استادہ ہوں جس طرح کسی چشمے پر
موجیں بیتاب کہ جن پر یہ گماں ہے یکسر   روح مستوں کی تڑپتی ہے بروئے کوثر
کہتی ہے خشکیِ ساحل دلِ نورانی سے
پیاس اک عمر کی بجھتی ہے اسی پانی سے

سلسبیل آبِ رواں پہنے ہوئے رشکِ چمن   دودھ پیتے ہوئے بچّے کی طرح پاک لبن
گُلِ رنگیں کا وہ جلوہ وہ کلی غنچہ دہن   وہ پیمبرؐ کی جوانی، یہ علیؑ کا بچپن
نام پھولوں پہ محمدؐ کا جلی لکھا ہے
صاف پہلو میں محمدؐ کے علیؑ لکھا ہے

الفتِ آلِ محمد کا ہے ذوق اِتنا عام ۔۔۔ کوئی لیتا ہوا گزرا جو یداللہ کا نام
گُل نے صلوٰت پڑھی شاخ جھکی بہرِ سلام ۔۔۔ ہو گئے اک نگہِ مہر سے غلمان غلام

حور شرما کے پکاری کہ میں قربان گئی
جانے والے اِدھر آ ، جان چلی ، جان گئی

وہ لبِ حُور کہ غنچوں کی نزاکت صدقے ۔۔۔ زلف و عارض پہ شب و روز کی طاعت صدقے
صفِ مژگاں پہ فرشتوں کی جماعت صدقے ۔۔۔ وہ قیامت قد و قامت کہ اقامت صدقے

یہ ادا صورتِ دلکش کی غضب ڈھاتی ہے
جیسی ہم چاہتے ہیں ویسی ہی بن جاتی ہے

ان حسینوں کے وہ غمزوں سے اشاراتِ حسیں ۔۔۔ ماہ رُو ، عربدہ جُو ، غالیہ مُو ، زہرہ جبیں
پیکرِ حسن و نزاکت ، نمکین و شیریں ۔۔۔ اُن کی تعریف ان الفاظ میں ممکن ہی نہیں

لاکھ مضمون تراشے کوئی مدحت کے لیے
استعارے ہیں سب اظہارِ حقیقت کے لیے

ایک تو ایسے حسیں دوسرے حسن تنظیم ۔۔۔ مل کے ان سب نے بڑھا ولولۂ جہدِ عظیم
وجد انگیز وہ کھلتے ہوئے غنچوں کی شمیم ۔۔۔ صحن میں جس سے صباحت تو ڈیوڑھی پہ نسیم

ذہن میں عشقِ زلیخا کا جواب آنے لگا
درِ جنّت پہ پہنچتے ہی شباب آنے لگا

شوق نے مجکو بڑھایا جو بصد جوش و خروش ۔۔۔ بولا رضوان کہ اے شاعرِ ہنگامہ فروش
بے خبر ، خواب میں ہے تُو ، یہ نہیں عالمِ ہوش ۔۔۔ حسرتِ جنّت و کوثر ہے تو برخیز و بکوش

عالمِ خواب میں فردوس کی تصویر یہ ہے
کام لے دیدۂ بیدار سے ، تعبیر یہ ہے

یہ سخن سُن کے جو ٹوٹا وہ طلسمِ غفلت ۔۔۔ کیا بتاؤں جو ہوئی قلبِ حزیں کی حالت
آنکھیں مل کر جو نظر کی بہ نگاہِ حسرت ۔۔۔ نہ وہ جنّت ہے نہ رضوان نہ بحث و حجّت

کشمکش ہے نہ کشاکش میں سفینہ باقی
غیرتِ بے عملی کا ہے پسینہ باقی

ہاں مگر خواب کی منزل سے بہت دُور کہیں　　محوِ فریاد ہیں کچھ لوگ بہ آوازِ حزیں
درد انگیز وہ نالے وہ بیانِ غمگیں　　شور وہ سینہ زنی کا کہ لرزتی ہے زمیں
خاک اُڑاتی ہوئی خود بادِ صبا آتی ہے
دُور سے ہائے حسینا کی صدا آتی ہے

ناگہاں ہاتفِ غیبی نے بصد درد کہا　　اُٹھ عزادارِ حسینی کہ یہ ہے فصلِ عزا
خلوتِ غم سے نکل مجلسِ شبیرؑ میں آ　　مجتبیٰؑ روتے ہیں گریاں ہیں جنابِ زہراؑ
خود نبیؐ اور علیؑ آہ و بُکا کرتے ہیں
رونے والوں کو نہ غم ہو یہ دعا کرتے ہیں

ہو نہ یہ چشم کرم اہلِ عزا پر کیونکر　　اُس کو روتے ہیں یہ سب کوئی نہ رویا جس پر
اُس کو روتے ہیں جو دریا پہ رہا تشنہ جگر　　اُس کو روتے ہیں رُلاتے تھے جسے بانیِ شر
اُس کو روتے ہیں کہیں جس کی عزا ہو نہ سکی
جس کے لاشے پہ بہن جی بھر کے کبھی رو نہ سکی

کیوں نہ روئیں کہ ہے زہراؑ کی تمنا یہ عزا　　کیوں نہ روئیں کہ محمدؐ کا ہے وعدہ یہ بکا
پڑھ کے محضر کو وہ بیٹی کا نبیؐ سے کہنا　　آپ جب ہوں گے نہ شبرؑ نہ شہِ عقدہ کشا
کون پھر روئے گا بابا مرے جانی کے لیے
کم سے کم ماں تو رہے اشک فشانی کے لیے

بولے احمدؐ کہ نہ غمگیں ہو مری راحتِ جاں　　غیب سے ہوں گے مسافر کی عزا کے ساماں
روئیں گے سینہ و سر پیٹ کے اہلِ عرفاں　　حشر تک ہوگی ترے لال پہ فریاد و فغاں
وعدہ احمدؐ کا بہرحال وفا ہونا ہے
ہم کو تصدیقِ پیمبرؐ کے لیے رونا ہے

ہم اُسے روتے ہیں ہر شادی و غم میں اوّل　　جس کے صدقے میں ملا ولولۂ عزم و عمل
دینِ احمدؐ کی بقا جس کی دلیرانہ اجل　　دستِ زخمی نہ ہوئے جس کے دمِ مرگ بھی شل
جس نے تسبیح پڑھی، گھر کے ستمگاروں میں
جس نے تکبیر کہی تیغوں کی جھنکاروں میں

وہ جو اسلام کا معصوم تو معتوب یزید — جو تہِ تیغِ ستم حافظِ قرآنِ مجید
وہ نمازی و مصلّی وہ فدائے توحید — ہو گیا عصر کے جو سجدۂ آخر میں شہید
زورِ حق سے کمرِ ظلم و شقاوت توڑی
دم بھی ٹوٹا تو نہ باندھی ہوئی نیت توڑی

وہ شناسائے وفا واقفِ ہر دَرد و الم — بیشۂ صبر و تحمل کا گرسنہ ضیغم
جس کے پالے ہوئے بچوں میں یہ تھا جذبۂ غم — سینے نیزوں پہ رکھے دیتے تھے وہ اہلِ ہمم
بوڑھے بیتاب کہ جلدی سوئے مقتل جائیں
اس پہ مچلے ہوئے بچے کہ ہم اوّل جائیں

تھے بہت شوقِ شہادت میں جو غازی دلگیر — بڑھ کے کھانے لگے تیغ و تبر و خنجر و تیر
سیر چشمی سے کٹانے لگے گھر کو شبیرؑ — دودھ کی فاطمہ زہراؑ کے یہی تھی تاثیر
ساتھ میں لائے تھے جن کو وہ مسافر نہ رہے
دوست بچپن کے حبیب ابنِ مظاہر نہ رہے

ناز تھا جن پہ رفاقت کو وہ یاور بچھڑے — نوجوانوں کے سوا چند گلِ تر بچھڑے
عَون سے شیر، محمدؐ سے دلاور بچھڑے — بیوۂ مسلمِ مظلوم کے دلبر بچھڑے
غنچہ لب ذبح ہوئے خوں سے زمیں لال ہوئی
لاش تک قاسمؑ ناشاد کی پامال ہوئی

کون سہ سکتا ہے وہ ظلم جو صابر نے سہا — پاسِ خودداریِ جذبات ہر اک غم میں رہا
سامنے آنکھوں کے خوں قوتِ بازو کا بہا — تھام لی صرف کمر واأسفا تک نہ کہا
کٹ گئے ہاتھ نہ تھرّائے مگر پائے حسینؑ
عَلم و مشک ترائی سے اُٹھا لائے حسینؑ

ہائے غربت میں بچھڑ جائیں وہ نازوں کے پلے — جو نہالِ چمنِ حسن نہ پھولے نہ پھلے
مائیں دم توڑتے دیکھا کریں اور بس نہ چلے — باپ دل تھام کے رہ جائے پھوپی ہاتھ ملے
کس نے یہ گردشِ دوراں کا تماشا دیکھا
بیاہ کے بدلے جواں لال کا لاشا دیکھا

رَن میں جب شاہ کے دلدار نے برچھی کھائی — گھر کے نولاکھ میں جرّار نے برچھی کھائی
بھوک اور پیاس میں ناچار نے برچھی کھائی — ثانیِ احمدؐ مختار نے برچھی کھائی
غل اُٹھا خاتمۂ فوجِ شہِ پاک ہوا
ماں کا دل چھد گیا، بابا کا جگر چاک ہوا

برچھی کھاتے ہی کچھ اس طرح سے اکبرؑ تڑپے — زیں پہ سنبھلا نہ گیا، خاک پہ گر کر تڑپے
باپ کے قلب و جگر گو کہ برابر تڑپے — پھر بھی صابر تھے کچھ ایسے کہ نہ سرور تڑپے
دل سنبھالے ہوئے رن کو شہِ دلگیر چلے
ننگے سر برہنہ پا حضرتِ شبیرؑ چلے

دل یہ کہتا تھا مبارک مرے جانی اکبرؑ — آج مقبول ہوئی نذرِ جوانی اکبرؑ
لب یہ کہتے تھے کہ نانا کی نشانی اکبرؑ — ابھی ٹھہرے رہو اے احمدِؐ ثانی اکبرؑ
یہ تمنا نہیں باتیں دمِ رخصت کرلوں
صرف اِک بار پیمبرؐ کی زیارت کرلوں

اے مرے گھر کے اُجالے تجھے ڈھونڈوں میں کہاں — نہ تو آنکھوں میں بصارت نہ مرے تن میں تواں
دشتِ غربت میں کمر توڑ گئے بھائی جاں — رن سے قاسمؑ کو ذرا بھیج دو بابا قرباں
ٹھوکریں راہ میں کھاتا ہوں سنبھالو بیٹا
نہر پر سوتے ہیں عموؑ کو بلالو بیٹا

ہائے وہ مرگِ جواں اور وہ مظلوم پدر — آہ بیتاب تھی، آنسو بھی تھے بے چین مگر
اشک پی جاتے تھے یہ کہہ کے شہِ تشنہ جگر — حق پہ قربان ہیں لاکھوں ہوں جو اکبر سے پسر
ناگہاں ضعف سے تھرا کے سرِ خاک گرے
کھا کے ٹھوکر کسی زخمی پہ شہِ پاک گرے

تنِ بسمل سے لپٹ کر یہ پکارے مولا — تو مرا لال ہے یا اور کسی کا بیٹا
چونک کر غش سے کہا اُس نے کہ اے مردِ خدا — اپنے فرزند کا کچھ نام بتایا نہ پتا
بولے شبیرؑ کہ ہم صورتِ پیغمبرؐ ہے
نام ناشاد و جواں مرگ علی اکبرؑ ہے

یہ سخن سنتے ہی بسمل نے تڑپ کر یہ کہا　　السّلام اے جگرِ و جانِ علیؑ و زہراؑ
بولے شہ کون۔ مرے لال، کہا ہاں بابا　　باپ نے پوچھا کہاں زخم لگا ہے بیٹا
بولا فرزند کلیجے پہ سناں کھائی ہے
الفراق اے شہِ دیں ہونٹوں پہ جان آئی ہے

دل میں رہ رہ کے کھٹکتی ہے سناں باباجاں　　یہ نکل جائے تو ہو نزع کی مشکل آساں
پسرِ فاطمہؑ نے سُن کے یہ پُر درد بیاں　　کھینچ لی پھیر کے منہ سینۂ اکبرؑ سے سناں
بولے اکبر کہ مرے صابر و شاکر بابا
وقتِ رحلت ہے خدا حافظ و ناصر بابا

کہتے کہتے یہ سخن، شیر کا منکا جو ڈھلا　　بولے شبیرؑ وصیت تو کرو کچھ بیٹا
عرض کی ہوش میں آئیں جو اخی زینِ عبا　　ان کو فدوی کا یہ پیغام سُنا دے فِضّا
غم رہے آپ کو یا حال پریشان رہے
پر مری امّاں کے پردے کا ذرا دھیان رہے

یہ سخن سُن کے رُخِ پاک پہ زردی چھائی　　گود میں باپ کی بیٹے نے شہادت پائی
ناگہاں خیمے کی جانب سے یہ آواز آئی　　کس طرف ہیں مجھے اکبر سے ملاؤ بھائی
وقتِ آخر تو جواں لال کو رخصت کر لوں
مجھ کو سہرا نہ دکھایا یہ شکایت کر لوں

میرے ماںجائے کی پیری کا سہارا ہے کہاں　　اے زمیں بول مرا راج دلارا ہے کہاں
اے فلک کچھ ہے خبر آنکھوں کا تارا ہے کہاں　　تو ہی اے نہر بتا پیاس کا مارا ہے کہاں
غم سے تڑپا یہ صدا سُن کے جری کا لاشہ
رہ گیا کانپ کے ہمشکلِ نبیؐ کا لاشہ

صبرِ ایوب ہو اس باپ کی ہمت پہ فدا　　جس نے منکے کو جواں لال کے ڈھلتے دیکھا
اُف نہ کی منہ سے غم و نوحہ و فریاد تو کیا　　سر اُٹھا کر سوئے افلاک کہا شکرِ خدا
تیری تائید سے قابو میں رہا دل یارب
امتحاں کی یہ بڑی سخت تھی منزل یارب

اپنے نانا کی عبا ڈال کے پھر میّت پر — لاش اُٹھانے کو کسی دلبرِ حیدر نے کمر
ناگہاں پڑ گئی عباسؑ کے لاشے پہ نظر — آہ کرکے یہ پکارا اسدِ حق کا پسر
اُٹھ گئے سارے مددگار ہمارے بھیّا
کچھ خبر ہے تمھیں اکبر بھی سدھارے بھیّا

کون اب دل کو سنبھالے یہ بتاؤ عباسؑ — چاہنے والوں کو مقتل سے بلاؤ عباسؑ
قاسم و عون و محمّد کو بھی لاؤ عباسؑ — نہر پہ سوتے ہو کیا چین سے آؤ عباسؑ
دشت کی دھوپ میں ہے شیرِ ژیاں کا لاشہ
ہم اُٹھاتے ہیں ضعیفی میں جواں کا لاشہ

رہ گیا لاشۂ عباس تو کروٹ لے کر — لاش بیٹے کی اُٹھا لائے شہِ جن و بشر
یا علیؑ شیرِ خدا، فاتحِ بابِ خیبر — آپ اشجع ہیں کہ یہ آپ کا مظلوم پسر
میں بھی اک بات کہوں اب جو ہے ثابت مولا
ورنہیں یہ ہے جواں بیٹے کی میّت مولا

اب قلم روک نسیم اور یہ کر حق سے دُعا — واسطہ اکبرِ ذی جاہ کا اے ربِّ ہُدا
استقامت وہ جوانوں کو ہمارے ہو عطا — ہر قدم یاد ہو عزم و عملِ کرب و بلا
موت کے سامنے گھبرائیں نہ یہ ڈر کے رہیں
اپنا سینہ تری ملّت کی سپر کرکے رہیں